عقائد

میں

اِحتیاط کے تقاضے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

مِنہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514 ، 3-5169111

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 7237695

www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَوْلَایَ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

دَعَا اِلَی اللّٰہِ فَالْمُسْتَمْسِکُوْنَ بِہٖ

مُسْتَمْسِکُوْنَ بِحَبْلٍ غَیْرِ مُنْفَصِمِ

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب : عقائد میں اِحتیاط کے تقاضے

خطبات و دراسات : شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

ترتیب و تدوین : ڈاکٹر علی اکبر قادری الازہری

خصوصی معاونت : محمد عمر حیات الحسینی

تحقیق و تخریج : محمد تاج الدین کالامی، حافظ فرحان ثنائی

زیرِ اہتمام : فریدِ ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk

مطبع : منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور

اِشاعتِ اَوّل : اکتوبر 2006ء

تعداد : 1,100

قیمت اِمپورٹڈ کاغذ : -/45 روپے

❁❁❁

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو / ویڈیو کیسٹس، CDs اور DVDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

sales@minhaj.biz

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

فہرس

صفحہ	مشتملات
۸	۱۔ اعتدال وتوازن: اہلِ حق کا امتیاز ہے
۸	• تین اعتقادی گروہوں کی موجودگی
۱۳	• روشِ اعتدال پر رہنا بذات خود ایک امتحان ہے
۱۴	۲۔ صیغۂ خطاب کے ساتھ صلاۃ وسلام شرک نہیں
۲۲	۳۔ تصوف اور اسلام
۲۳	شریعت وطریقت کا باہمی ربط وتعلق
۲۴	خانقاہی نظام اور عہد جدید
۲۶	۴۔ مزاراتِ اولیاء کی زیارت اور حاضری کے آداب
۲۸	مزاراتِ اولیاء پر دعا کا درست طریقہ
۳۰	مزارات کے طواف اور شوروغل کی ممانعت
۳۱	مزارات پر نذرو نیاز اور تبرک کی حقیقت
۳۶	کلماتِ توسُّل میں احتیاط
۳۷	سجدۂ تعظیمی اور قبر کی سمت سجدہ کرنے کی ممانعت
۳۸	اعراس سے متعلق امور میں احتیاط

مشتملات	صفحہ
۵۔ضعفِ اعتقاد پر مبنی رسوم سے اجتناب کی ضرورت	۴۰
مزارات کے درختوں کے نیچے منتیں ماننا	۴۰
سر پر چوٹی رکھنے کی ممانعت	۴۱
مختلف درختوں میں ارواح شہداء و اولیاء کا جاہلانہ تصور	۴۲
حلف میں احتیاط کا پہلو	۴۲
ایصالِ ثواب اور نذر و نیاز کے طریقوں میں احتیاط	۴۳
❁ مآخذ و مراجع	۴۵

www.MinhajBooks.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُمتِ مسلمہ میں باہمی مذہبی اور اعتقادی اختلاف، بے اعتدالی کے باعث پیدا ہوا۔ ایک طرف بندگانِ خدا اور مقبولانِ بارگاہ کی محبت و عقیدت میں بر بنائے جہالت غلو اس حد تک بڑھا کہ بات افراط تک جا پہنچی اور دوسری طرف ردِ عمل میں تخفیف و تنقیص کے باعث معاملہ تفریط تک پہنچ گیا۔ افراط نے جہاں خرافات و بدعات کا دروازہ کھولا وہاں تفریط گستاخی و اہانت کا رنگ اختیار کر گئی۔ پس محبتوں اور عقیدتوں کی حدود اور ان کے مراتب و مدارج کا تعین کرنا لازمی و لابدی امر ہے۔ اہلِ حق ہمیشہ سے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے لے کر اولیائے عظام تک فرقِ مراتب کو ملحوظ رکھتے چلے آئے ہیں لہٰذا افرادِ ملت کے درمیان توازن و اعتدال قائم رکھنا ہی صراطِ مستقیم ہے۔

اسی اعتدال و توازن کی بناء پر امتِ مسلمہ کو ’’امتِ وسط‘‘ کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔[1]

’’اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں (اعتدال والی) بہتر امت بنایا۔‘‘

امتِ مسلمہ کو امتِ وسط کے خطاب سے اس لئے نوازا گیا کہ وہ حدِ افراط کو نہیں پھلانگتی اور یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار و مشرکین کی طرح ہاتھوں سے تراشیدہ بتوں کو نہیں پوجتی، انبیاء کو خدا نہیں مانتی اور نہ ہی ان کی طرح انتہائی تفریط کا شکار ہوتے ہوئے انبیاء اور اولیاء کو قتل کرتی اور ہتک آمیز سلوک کرتی ہے۔ یہی بنیادی فلسفہ ’’امتِ وسط‘‘ کے عنوان میں کارفرما ہے۔ لہٰذا عقائد میں حزم و احتیاط کا پہلا تقاضا اعتدال و توازن،

(۱) البقرة، ۲: ۱۴۳

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

رواداری اور تحمل و بردباری ہے ورنہ افتراق و انتشار کسی مسئلے کا حل نہیں۔ ذیل میں ہم اسی نوعیت کے مسائل پر بالترتیب بحث کر رہے ہیں۔

۱۔ اِعتدال و توازن: اہلِ حق کا امتیاز

یہ بات ذہن میں رہے کہ اعتدال و توازن کی روش پر قائم رہنا زندگی کے دائرہ کار میں صرف ایک دو شعبوں تک موقوف نہیں بلکہ اس کا تعلق ہر شعبۂ حیات اور زندگی کے ہر پہلو کے ساتھ ہے۔ اسی لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے مطلقاً ارشاد فرمایا:

خَيْرُ الْأَعْمَالِ أَوْسَطُهَا. (۱)

’’اعمال میں میانہ روی اختیار کرنا سب سے بہترین عمل ہے۔‘‘

لہٰذا عقائد میں بھی اسی اعتدال و توازن کی کیفیت برقرار رکھنا ضروری ہے اور یہ ہمیشہ سے اہلِ حق کا امتیاز رہا ہے۔ ہر زمانے میں اہلِ حق انبیائے کرام، اولیائے عظام اور خصوصاً امتِ مسلمہ میں مجددین و مصلحین عقائد میں بے اعتدالی کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کرتے رہے ہیں اور ان شاء اللہ تاقیامت کرتے رہیں گے۔ زیرِنظر باب میں عقیدۂ توحید کے افراط و تفریط پر مبنی مختلف پہلوؤں کی نشان دہی کرتے ہوئے انہیں اعتدال و توازن میں لانے کی سعی کی جائے گی۔

تین اعتقادی گروہوں کی موجودگی

عدمِ توازن اور بے اعتدالی سے جہاں بہت سی الجھنیں اور شکوک و شبہات جنم لیتے ہیں وہاں طبقاتی تقسیم اور اعتقادی تفریق بھی ایک فطری امر بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں ہمیشہ تین گروہ موجود رہے ہیں:

---

(۱) ۱۔ بیهقی، شعب الإيمان، ۳: ۴۰۲، رقم: ۳۸۸۷

۲۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۲۱۲، رقم: ۳۰۳۶

۱۔ مفرطین ۲۔ مقصّرین ۳۔ معتدلین

پہلا گروہ ...... مفرطین

یہ وہ گروہ ہے جس نے مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کی عقیدت و احترام میں غلو اور افراط کی روش اپنا لی اور حد سے بڑھ گئے۔ اس گروہ کے افراد کا یہ شیوہ رہا کہ فرقِ مراتب کو ملحوظ رکھے بغیر اپنی خواہش سے خود ہی درجات و مراتب مقرر کر لئے اور جہالت کی بنا پر کسی کو مقام اُلوہیت پر فائز کر دیا اور بعض اولیاء اللہ کو مقامِ نبوت تک لے گئے اور انہیں معصوم عن الخطاء کے زمرے میں شریک کر دیا۔ یہود و نصاریٰ کی تاریخ اِس سلسلے میں ہمارے سامنے ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللهِ وَلٰـكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ○(۱)

’’کسی بشر کو یہ حق نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے یہ کہنے لگے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ (وہ تو یہ کہے گا) تم اللہ والے بن جاؤ اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس وجہ سے کہ تم خود اسے پڑھتے بھی ہو○‘‘

اہلِ کتاب نے اپنے احبار و رُھبان کو وہ حقوق دیئے جو صرف اللہ و رسول کے لئے خاص تھے اِن کی یہ گمراہی اِس طرح ظاہر کی گئی ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَ مَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ○(۲)

(۱) آل عمران، ۳:۷۹

(۲) التوبۃ، ۹:۳۱

’’انہوں نے اللہ کے سوا اپنے عالموں اور زاہدوں کو رب بنا لیا تھا اور مریم کے بیٹے مسیح (علیہ السلام) کو (بھی) حالانکہ انہیں بجز اس کے (کوئی) حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اکیلے ایک (ہی) معبود کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ان سے پاک ہے جنہیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں٥‘‘

یہ احبار و رُہبان جس چیز کو حلال قرار دیتے ان کے پیروکار اُسے حلال سمجھتے اور جس چیز کو وہ حرام قرار دیتے اُسے حرام سمجھتے تھے۔ کسی اِنسان کو رب بنانے کا مطلب اُسے معبود قرار دینا اور اُس کے سامنے مراسمِ عبودیت ادا کرنا ہی نہیں۔ اِس کا مطلب یہ بھی ہے کہ اسے اللہ و رسول کے کسی ایسے حق میں شریک کرلیا جائے جو صرف ان کے لئے خاص ہے۔ تحلیل وتحریم اللہ کا وہ حق ہے جو انبیاء و رُسل کو بھی اُس کی اجازت سے ملتا ہے انبیاء و رسلِ عظام جس شے کو بھی حلال یا حرام قرار دیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور مرضی کے مظہر اور نمائندے ہونے کے ناطے اسی کی منشاء کے مطابق قرار دیتے ہیں۔ کسی غیر نبی کو یہ حق دینے کے معنی یہی ہوئے کہ اُسے اللہ و رسول کے حق میں شریک کرلیا گیا۔ نصاریٰ اس غلو کی علامت بن کر راہِ حق سے بھٹک گئے تھے۔ تمام اہلِ حق کا اس پر اجماع ہے کہ شرفِ عصمت صرف انبیائے کرام علیہم السلام کو حاصل ہے۔ انبیائے کرام کے سوا کوئی معصوم نہیں ہے لہٰذا فقہاء و محدثین کے اقوال اور اولیاء و صلحاء کے ملفوظات اور افعال کو خطا سے پاک اور مبرا تصور کرنا قطعاً درست نہیں۔ ان کی ہر بات کو قطعی اور حجت ماننا اور ان کے اقوال کے ہوتے ہوئے قرآن وسنت سے استنباط و استدلال کو ممنوع قرار دینا ایسا طرزِ عمل ہے جس کے ڈانڈے یہود و نصاریٰ کے عالموں کے ساتھ جا ملتے ہیں۔ اِس لئے اِس طرزِ عمل کی اصلاح کی جانی چاہیے۔

دوسرا گروہ ...... مقصّرین

یہ وہ گروہ ہے جو عدمِ توازن اور انتہا پسندی کے دوسرے کنارے پر رہتا ہے۔ یہ طبقہ نہ تو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت وعظمت کا حق بجا لاتا ہے اور نہ بندگانِ خدا کے

احترام و عقیدت کا پاس و لحاظ کرتا ہے۔ تقصیر و تفریط اِس طبقہ کا شعار ہے۔ یہودی اِس تقصیر میں سب سے آگے بڑھ گئے۔ یہ وہ طبقہ ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی شان میں یَدُاللهِ مَغْلُوْلَةٌ جیسے گستاخانہ جملے کہے اور انبیاء و رُسل عظام علیھم السلام کی شان میں گستاخیاں کیں۔

اُمتِ مسلمہ میں جس طرح افراط اور غلو کی بیماری روافض میں پائی جاتی ہے اِسی طرح تفریط و تنقیص کی بیماری میں خوارج و نواصب بھی مبتلا ہیں۔ بعد میں افراط و تفریط کی شاخیں نکلنے سے تنقیص و تقصیر کی مختلف شکلیں سامنے آتی گئیں۔ موجودہ دور میں ایسے لوگ بھی ہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ کو منصبِ نبوت و رسالت سے نیچے اُتار کر محض ایک مصلح اور قومی رہنما کی سطح پر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے بھی ہیں جو حضور ﷺ کی معجزانہ شان و کمالات اور عظیم خصائص و مقامات کا انکار اور مثلیت پر اصرار کر کے آپ ﷺ کو عام انسان کی طرح دیکھتے ہیں یا حضور اکرم ﷺ کی عظمت اور قدر و منزلت اور محبت و مودّت کے آداب اور مظاہر کو شخصیت پرستی سے تعبیر کرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ اور اولیاء و صالحین کے توسل و شفاعت کو ناجائز تصور کرتے ہیں۔ یہ گروہ اسلام کے روحانی آثار و روایات اور سلف صالحین کے اطوار و تعلیمات کو خرافات قرار دیتا ہے۔

یہ خود راہ گم کردہ لوگ صوفیاء عظام اور ائمہ و فقہاءِ امت کو العیاذ باللہ بدعتی یا سازشی گروہ قرار دیتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو تفریط اور تقصیر کے انتہائی خطرناک کنارے پر پہنچ کر خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کی اکثریت سخت گیر، غیر لچک دار اور منہ زور رویوں کی حامل ہے۔ چھوٹی چھوٹی بات پر شرک و بدعت کے فتووں کی بوچھاڑ ان کا وطیرہ بن چکا ہے۔ اسلام کی تعلیماتِ محبت و حکمت کے برعکس وہ جہاد کا لبادہ اوڑھ کر دنیا بھر میں قتل و غارت گری کو اپنا شعار بنائے بیٹھے ہیں اور (اِلَّا مَا شَاءَ اللهُ) فی زمانہ ان کی اکثریت کے اسی مجموعی تاثر کی وجہ سے دشمنانِ اسلام پوری اسلامی دنیا کو ''دہشت گرد'' ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ صاحبانِ فہم و بصیرت جانتے ہیں کہ موجودہ دور میں اسلام کو اس بے بنیاد الزام تراشی نے جتنا نقصان دیا ہے ماضی میں کوئی بڑی سے بڑی جنگی شکست بھی نہیں دے سکی۔ سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ اسلام

جو کہ دینِ دعوت تھا، اس کے مغربی دنیا میں فروغ و نفوذ کے امکانات مسدود ہو گئے ہیں مغرب جو عقل و دانش پر منحصر بات کو سنتا ہے اس پراپیگنڈے سے مرعوب ہو کر اسلام کی دعوت کا پیغام سننے کے لئے تیار نہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ اسی انتہا پسندی کی وجہ سے ہو رہا ہے جو روحِ دین کے خلاف ہے۔ اس طبقہ کے انتہا پسندانہ رویوں کی وجہ سے آج کفر کو بالواسطہ اسلام کے خلاف صف آرائی کرنے کا بہانہ مل رہا ہے۔

تیسرا گروہ ...... معتدلین

معتدلین کا طبقہ وہ ہے جو توازن اور اعتدال کی راہ پر گامزن ہو کر افراط و تفریط کے درمیان توسط کی روش اختیار کئے ہوئے ہے۔ یہ طبقہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات کو لاشریک مانتا ہے، یہ لوگ معرفتِ خداوندی اور رضائے الٰہی کے حصول کو زندگی کا مقصود اور معراج سمجھتے ہیں۔ قرآن و سنت اور شریعت نے جو حدود مقرر کی ہیں ان کو نہ توڑتے ہیں اور نہ پھلانگ جانے کی جسارت کرتے ہیں۔ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کی شان میں حکمتِ مثلیت کا اقرار تو کرتے ہیں مگر شانِ امتیاز و فضیلت پر اصرار کرتے ہیں جبکہ مقصرین انبیاء کی شانِ فضیلت کا محض اقرار کرتے ہیں اور مثلیت پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ طبقہ صحابہ کرام، ائمہ اہل بیتِ اُطہار، فقہاء و محدثین اور اہلِ ولایت و طریقت کو وہی حیثیت دیتا ہے جو نقلاً اور عقلاً مبنی بر صداقت ہے۔ یہ طبقہ نہ تو ائمہ و فقہاء کو انبیاء و رُسل علیہم السلام کی طرح معصوم سمجھتا ہے اور نہ ان کی شان میں تنقیص و تخفیف کی جسارت و گستاخی کرتا ہے۔ یہ طبقہ نہ تو اِن کو یہ حیثیت دیتا ہے کہ ان کے ہر قول و فعل، ان کے اجتہادی تفردات اور ان کے مخصوص اعمال و مشاغل کو بلا دلیل شرعی حجتِ قاطع کی حیثیت سے تسلیم کرے اور راہِ قرآن و سنت کی بجائے انہیں مدارِ اِستدلال بنائے اور نہ ہی یہ اس حد تک جاتا ہے کہ ان کی بعض اجتہادی خطاؤں کو مخصوص ذوقی و روحانی مشاغل کی بناء پر سرے سے رد کر دے۔ اعتدال کی یہ روش فی زمانہ ناپید ہوتی چلی جا رہی ہے۔

راقم بھی اکابرینِ امت کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اِسی طریق اور منہج کی تجدید

کے لئے ہمہ تن مصروف و مشغول ہے۔ یہی مسلکِ صحابہ کرام، تابعینِ عظام اور قرونِ اولیٰ کے ائمہ واسلاف اور اولیاء و صالحین کا ہے۔ یہی حقیقت میں سوادِ اعظم کی راہ ہے اور اسی کو اکابر نے مسلکِ اہل السنۃ والجماعۃ سے تعبیر کیا ہے۔

روشِ اعتدال پر قائم رہنا بذاتِ خود ایک امتحان ہے

روشِ اعتدال پر قائم رہنا آسان کام نہیں بلکہ ایک بڑا چیلنج اور امتحان ہے۔ اِس روش کا انسان چکی کے دو کھردرے پاٹوں کے درمیان پِستا رہتا ہے۔ اِس سے نہ تو پہلا گروہ خوش ہوتا ہے اور نہ دوسرا۔ افراط اور تفریط میں مبتلا لوگ ہر دو سمت سے ایسے لوگوں پر حملہ آور ہوتے ہیں اور عوام ان کے شور وغوغہ سے متاثر ہوتے رہتے ہیں۔

راقم کا ذاتی رُجحان اور طبعی میلان بربنائے تحقیق توسط، اعتدال اور توازن کو پسند کرتا ہے۔

ہم نہ تو کسی مباح و مستحب کو بدعت قرار دینا پسند کرتے ہیں، نہ کسی مکروہ اور خلاف اولیٰ کو حرام کہنا گوارا کرتے ہیں۔ نہ عام درجہ کے امرِ ممنوع کو کفر اور نہ مطلقاً ناجائز کو شرک کا درجہ دیتے ہیں۔ اسی طرح نہ کسی جائز و مستحب کو سنّت مؤکدہ یا واجب کا درجہ اور نہ محض سنّت کو فرض کا، نہ اولیٰ و خلافِ اولیٰ اور مستحسن وغیر مستحسن کے فرق کو فرض اور حرام کے فرق میں بدلتے ہیں۔ نہ امورِ خیر و برکت اور معمولاتِ سلف صالحین کے ترک کرنے کے حق میں ہیں اور نہ انہیں عملاً واجباتِ دین میں شامل کرتے ہیں۔

الغرض معروف کو منکر اور منکر کو معروف بنانا ہمارا معمول نہیں۔ راقم سوءِ ظن سے ہر ممکن اجتناب اور فتویٰ زنی سے حتی الوسع گریز کرتا ہے مگر محبتِ رسول ﷺ سے محروم کو بدبخت اور اہانتِ رسول ﷺ کے مرتکب کو قطعی کافر سمجھتا ہے۔

۲۔ صیغۂ خطاب کے ساتھ صلاۃ وسلام شرک نہیں

بعض لوگ جوشِ توحید میں صیغۂ خطاب کے ساتھ آقائے دوجہاں حضور نبی اکرم ﷺ پر صلاۃ وسلام کو **استعانت بالغیر** کہہ کر شرک قرار دیتے ہیں اور اسے ناجائز سمجھتے ہیں جو سراسر غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو پکارنے سے منع نہیں کیا بلکہ پکارنے کے آداب سکھائے ہیں، ارشادِ ربّانی ہے:

لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَيۡنَكُمۡ كَدُعَآءِ بَعۡضِكُمۡ بَعۡضًا‌ؕ قَدۡ يَعۡلَمُ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ يَتَسَلَّلُوۡنَ مِنۡكُمۡ لِوَاذًا‌ۚ فَلۡيَحۡذَرِ الَّذِيۡنَ يُخَالِفُوۡنَ عَنۡ اَمۡرِهٖۤ اَنۡ تُصِيۡبَهُمۡ فِتۡنَةٌ اَوۡ يُصِيۡبَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ○[1]

’’(اے مسلمانو!) تم رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی مثل قرار نہ دو (جب رسولِ اکرم ﷺ کو بلانا تمہارے باہمی بلاوے کی مثل نہیں تو خود رسول ﷺ کی ذاتِ گرامی تمہاری مثل کیسے ہو سکتی ہے)، بیشک اللہ ایسے لوگوں کو (خوب) جانتا ہے جو تم میں سے ایک دوسرے کی آڑ میں (دربارِ رسالت ﷺ سے) چپکے سے کھسک جاتے ہیں، پس وہ لوگ ڈریں جو رسول (ﷺ) کے امرِ (ادب) کی خلاف ورزی کر رہے ہیں کہ (دنیا میں ہی) انہیں کوئی آفت آپہنچے گی یا (آخرت میں) ان پر دردناک عذاب آن پڑے گا○‘‘

اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں ائمہ تفسیر نے حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم ﷺ کو پکارتے وقت ’’یا محمد‘‘ اور ’’یا ابا القاسم‘‘ کہا کرتے تھے۔

۱۔ امام محمود آلوسیؒ لکھتے ہیں:

(۱) النور، ۲۴: ۶۳

فنهاهم الله تعالی عن ذالک بقوله سبحانه: لا تجعلوا......الآية إعظاما لنبيه ﷺ، فقالوا: يا نبی الله يا رسول الله۔(۱)

''پس اللہ ﷻ نے انہیں اپنے اس فرمان ''**لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ**'' کے ذریعہ اپنے نبی ﷺ کی تعظیم وتکریم کی خاطر منع فرمایا۔ پس صحابہ نے بوقت نداء یا نبی اللہ، یا رسول اللہ (ﷺ) کہنا شروع کر دیا۔''

- تمام علمائے امت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو لاپرواہی اور بے توجہی و بے اعتنائی کے طور پر ذاتی نام سے پکارنا حرام ہے اور یہ حکم حیاتِ ظاہری کے ساتھ مختص نہیں بلکہ قیامت تک کے لئے ہے۔ تمام اہلِ ایمان کے لئے آپ ﷺ کو پکارنا جائز ہے خواہ قریب ہوں یا بعید اور خواہ حیاتِ ظاہری ہو یا بعد از وصال۔ آیتِ مبارکہ میں وارد ہونے والی نہی کا محل دراصل وہ عامیانہ لہجہ اور طرزِ گفتگو ہے جو صحابہ اور اہلِ عرب ایک دوسرے سے بلاتکلف اختیار کرتے تھے۔ اس حکمِ نہی میں مطلق ندا سے منع نہیں کیا گیا اس لیے تعظیم وتکریم پر مشتمل ندا جائز ہے۔

- دوسری اور اہم بات یہ ہے کہ مدعائے کلام بارگاہِ نبوی ﷺ کی تعظیم وتوقیر کی تعلیم ہے لہٰذا اگر صیغہ خطاب کے ساتھ ادب وتعظیم کا تقاضا پورا نہ ہو اور عرفاً و معناً اس ندا سے گستاخی اور اہانتِ رسول کا پہلو نکلتا ہو تو وہ ندا ممنوع اور حرام ہوگی ورنہ نہیں۔ اہلِ ایمان حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی کو آپ ﷺ کا نام لیے بغیر، منصبِ نبوت و رسالت کے ساتھ پکارتے ہیں تو اس میں محبت، ادب، تعظیم اور توقیر مراد ہوتی ہے۔

- نداء کے جواز کا تیسرا سبب یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے قریب و بعید اور حیاتِ ظاہری اور بعد از وصال تمام اہلِ ایمان کو تشہد میں سلام پیش کرنے کا جو طریقہ تعلیم فرمایا اس میں دعا و پکار اور نداء بطریقِ خطاب ہی وارد ہے۔ یہ تلفّظ محض حکایۃً نہیں کہ اللہ تعالیٰ ﷻ نے شبِ معراج حضور نبی اکرم ﷺ کو فرمایا تھا بلکہ ضروری ہے کہ ہر نمازی

(۱) آلوسی، روح المعانی، ۱۸:۲۰۴

اپنی طرف سے بارگاہِ نبوی ﷺ میں **اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ** (یا نبی! آپ پر خاص سلامتی، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکات ہوں) کے کلمات کے ساتھ سلام پیش کرے۔ تمام اہلِ ایمان کو اپنی طرف سے بطور انشاء بارگاہِ نبوی ﷺ میں سلام بھیجنا لازم ہے۔ ذیل میں ہم اس سلسلے میں محدثین و محققین کی آراء پیش کرتے ہیں۔

۲۔ علامہ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

اجمع الأربعة علی أن المصلی یقول: أَیُّھَا النَّبِیُّ. وأن ھذا من خصوصیاته علیه السلام، إذ لو خاطب مصلٍ أحدًا غیرہٗ و یقول السلام علیک بطلت صلاته.(۱)

''ائمہ اربعہ کا اس امر پر اجماع ہے کہ نمازی تشہد میں 'اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ '' کہے اور یہ اندازِ سلام آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔ اگر کوئی نمازی آپ کے علاوہ کسی ایک کو بھی خطاب کرے اور ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ '' کہے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔''

۳۔ امام جلال الدین سیوطیؒ نے الخصائص الکبریٰ میں ایک مکمل باب قائم کیا ہے اور اس خصوصیت کو درج ذیل عنوان سے تعبیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

باب اختصاصه ﷺ بأن المصلی یخاطبه بقوله ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ أَیُّھَا النَّبِیُّ'' ولا یخاطب سائر الناس.(۲)

''یعنی آپ ﷺ اس امر کے ساتھ مختص ہیں کہ نمازی آپ ﷺ کو صیغہ خطاب کے ساتھ اس طرح سلام پیش کرتا ہے ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ'' اور وہ تمام لوگوں کو مخاطب نہیں ہوسکتا۔''

---

(۱) ملا علی قاری، شرح الشفاء، ۲:۱۲۰

(۲) سیوطی، الخصائص الکبری، ۲:۲۵۳

۴۔ امام قسطلانیؒ المواہب اللدنیہ میں اور امام زرقانی شرح المواہب میں اسی خصوصیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومنها أن المصلی یخاطبه بقوله: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ أَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَکَاتُهٗ کما فی حدیث التشهد والصلوٰة صحیحة. ولا یخاطب غیرهٗ من الخلق ملکا أو شیطانا أو جمادًا أو میتاً.(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ نمازی آپ ﷺ کو ’’اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَکَاتُهٗ‘‘ کے کلمات کے ساتھ خطاب کرتا ہے جیسا کہ حدیثِ تشہد میں ہے اور اس کے باوجود اس کی نماز صحیح رہتی ہے۔ وہ آپ ﷺ کے علاوہ مخلوق میں سے کسی فرشتے یا شیطان اور جماد یا میت کو خطاب نہیں کر سکتا۔‘‘

۵۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں کیا ایمان افروز عبارت لکھی ہے فرماتے ہیں:

واحضر فی قلبک النبي ﷺ وشخصه الکریم، وقُلْ: سَلَامٌ عَلَیْکَ أَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَکَاتُهٗ. ولیصدق أملک فی أنه یبلغه و یرد علیک ما هو أوفٰی منه.(۲)

’’(اے نمازی! پہلے) تو حضور نبی اکرم ﷺ کی کریم شخصیت اور ذاتِ مقدسہ کو اپنے دل میں حاضر کر پھر کہہ: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ أَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَکَاتُهٗ۔ تیری امید اور آرزو اس معاملہ میں مبنی بر صدق و اخلاص ہونی چاہیے کہ تیرا سلام آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچتا ہے اور آپ ﷺ اس سے کامل تر جواب سے تجھے نوازتے ہیں۔‘‘

اس عبارت سے یہ امر واضح ہوا کہ اگر خطاب اپنے ظاہری معنی و مفہوم میں نہ

---

(۱) زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ۵:۳۰۸

(۲) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۱:۱۵۱

ہوتا تو آپ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ کو مستحضر سمجھ کر سلام پیش کرنے کی تلقین نہ کی جاتی۔

۶۔ نماز میں صیغۂ خطاب سے حضور اکرم ﷺ کو مخاطب ہونے کی حکمت امام طیبی نے بھی بیان کی ہے جسے امام ابنِ حجر عسقلانی نے فتح الباری میں نقل کیا ہے:

إن المصلين لما استفتحوا باب الملكوت بالتحيات أذن لهم بالدخول فی حريم الحي الذي لا يموت، فَقَرَّت أعينهم بالمناجاة. فنبهوا أن ذلک بواسطة نبي الرحمة وبركة متابعته. فالتفتوا فإذا الحبيب فی حرم الحبيب حاضر فأقبلوا عليه قائلين: اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ أَيُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَکَاتُهُ. (۱)

’’بے شک نمازی جب التحیات سے ملکوتی دروازہ کھولتے ہیں تو انہیں ذاتِ باری تعالیٰ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ کے حریمِ قدس میں داخل ہونے کی اجازت نصیب ہوتی ہے، پس مناجاتِ ربانی کے سبب ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک عطا ہوتی ہے۔ پھر انہیں متنبہ کیا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ حضور نبی اکرم ﷺ کی وساطت اور آپ کی متابعت کی برکت سے حاصل ہوا ہے۔ پس وہ ادھر توجہ اور التفات کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ اپنے کریم رب کے حضور میں موجود ہیں تو وہ آپ ﷺ کی طرف یوں سلام پیش کرتے ہوئے متوجہ ہوتے ہیں: اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ أَيُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَکَاتُهُ‘‘

۷۔ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ صیغہ خطاب کی وجہ پر محققانہ کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و بعضے از عرفاء گفته اند که ایں خطاب بجهت سریان حقیقة محمدیه است در ذرائر موجودات وافراد ممکنات۔ پس آن حضرت در ذات مصلیان موجود و حاضر است۔ پس مصلی باید که ازیں معنی آگاه باشد وازین شهود غافل نبود

(۱) عسقلانی، فتح الباری، ۲: ۳۱۴

تا بانوار قرب و اسرار معرفت متنور و فائز گردد۔ (۱)

’’بعض عرفاء نے کہا ہے کہ اس خطاب کی جہت حقیقتِ محمدیہ کی طرف ہے جو کہ تمام موجودات کے ذرہ ذرہ اور ممکنات کے ہر ہر فرد میں سرایت کیے ہوئے ہیں۔ پس حضور ﷺ نمازیوں کی ذاتوں میں حاضر و موجود ہیں لہٰذا نمازی کو چاہیے وہ اس معنی سے آگاہ رہے اور اس شہود سے غافل نہ ہو یہاں تک کہ انوارِ قرب اور اسرارِ معرفت سے منور اور مستفید ہوجائے۔‘‘

۸۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

ذکر کن او را و درود بفرست بروے ﷺ و باش در حال ذکر گویا حاضر است پیش تو در حالتِ حیات، و می بینی تو او را متادب با جلال و تعظیم و ہیبت وحیاء۔ بد آنکه وے ﷺ می بیند ترا و می شنید کلام ترا زیرا که وے متصف است بصفات اللّٰہ تعالیٰ۔ ویکے از صفات الٰہی آنست که أنا جلیس من ذکرنی و پیغمبر را نصیب وافر است ازیں صفت۔ (۲)

’’(اے مخاطب!) تو حضور نبی اکرم ﷺ کا ذکر کر اور ان پر درود بھیج اور حالتِ ذکر میں اس طرح سمجھ کہ گویا آپ ﷺ حیات ظاہری میں تیرے سامنے موجود ہیں، اور تو جلالت و عظمت کو ملحوظ رکھ کر اور ہیبت و حیاء کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے آپ ﷺ کو دیکھ رہا ہے۔ یقین جان کہ آپ ﷺ تجھے دیکھتے ہیں اور تیرا کلام سنتے ہیں کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ موصوف و متصف ہیں۔ ان صفاتِ ربانی میں سے ایک صفت یہ بھی ہے

(۱) عبد الحق الدہلوی، اشعة اللمعات، ۱: ۴۰۱

(۲) عبد الحق الدہلوی، اشعة اللمعات، ۲: ۶۲۱

کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے أَنَا جَلِيسُ مَنْ ذَكَرَنِيْ (میں اس کا ہم نشین ہوں جو مجھے یاد کرے) اور آپ ﷺ کو اس صفتِ الٰہیہ سے وافر حصہ حاصل ہے۔‘‘

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

بعض لوگوں کا کہنا یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام بعد از وصالِ نبوی اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ أَيُّهَا النَّبِيُّ کی بجائے اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ کہتے تھے لہٰذا اب سلام بصیغہ خطاب کہنا جائز نہیں ہے اس لئے شرک ہے۔ ذہن نشین رہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے صرف اور صرف اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهُ کے اندازِ نداء و خطاب میں ہی سلام پیش کرنے کا طریقہ سکھلایا ہے۔ حضور ﷺ نے قطعاً یہ نہیں فرمایا کہ میری ظاہری حیات میں تو مجھ پر سلام نداء و خطاب کے ساتھ پیش کریں اور بعد از وصال بدل دیں۔ اگر بعد از وصال نداء و خطاب کے انداز میں سلام پیش کرنا جائز نہیں تھا تو گویا حضور ﷺ کی تشہد کے بارے میں تعلیم ادھوری اور ناقص رہ گئی؟ (معاذ اللہ) کیا کوئی عام مسلمان بھی یہ تصور کرسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں منبر پر بیٹھ کر نداء و خطاب پر مشتمل تشہد و سلام کی تعلیم دی اور اکابر صحابہ کی موجودگی میں یہ تلقین فرمائی اور کسی صحابی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ خطاب کے صیغہ کے ساتھ سلام پیش کرنے پر اجماعِ صحابہ ہے۔ خلفائے راشدین اور دیگر اکابر صحابہ نے اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ أَيُّهَا النَّبِيُّ کے صیغہ خطاب کے ساتھ سلام پیش کیا ہے۔ تاہم اتنا کہا جا سکتا ہے کہ نداء و خطاب کے صیغہ کے ساتھ سلام پیش کرنا واجب نہیں ہے لیکن وجوب کی نفی سے جواز بلکہ استحباب کی نفی بھی لازم نہیں آتی کیونکہ خلفائے راشدین اور اہلِ مدینہ کا اجماع اور جمہور امت کا اسی پر مداومت کے ساتھ عمل اس پر شاہدِ عادل اور دلیلِ صادق ہے۔ علامہ ملا علی قاریؒ کا اس پر قول بطور دلیل ہم پچھلے صفحات میں نقل کر آئے ہیں کہ جمہور امت کے نزدیک حضور نبی اکرم ﷺ کو بصیغہ نداء و خطاب کے ساتھ سلام پیش کرنا بالکل جائز ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کو آپ کی ظاہری حیاتِ طیبہ اور بعد از وصال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سلف صالحین نے قریب اور بعید کی مسافت کے فرق کے بغیر بصیغہ نداء و خطاب پکارا۔ مستند کتبِ احادیث اور سیر میں درجنوں واقعات اس بات کی دلیل ہیں کہ اکابر اور سلف صالحین کبھی بھی آپ ﷺ کو بصیغہ خطاب پکارنے میں کسی قسم کے الجھاؤ اور شک و شبہ میں مبتلا نہیں رہے۔ انہوں نے اپنی اپنی کتب میں اس عقیدہ صحیحہ کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ واضح کیا ہے۔

www.MinhajBooks.com

۳۔ تصوف اور اِسلام

دین وشریعت کے دو بنیادی جزو ہیں:

۱۔ ظاہری احکام جو آگے چل کر فقہ کے نام سے مدون ہوئے۔

۲۔ روحانی و باطنی احکام جو دوسری صدی ہجری میں زہد و رقائق اور تصوف و طریقت کے نام سے معنون ہوئے۔

تصوف کو قرآنی اصطلاح میں تزکیۂ نفوس اور حدیث کی اصطلاح میں احسان کہتے ہیں۔ تصوف کے اجزائے ترکیبی عہدِ رسالتمآب ﷺ اور دورِ صحابہ میں عملاً موجود تھے کیونکہ یہ سب قرآن وسنت کی ابدی تعلیمات کا حصہ ہیں۔ تصوف اِسلام کی روحانی اور باطنی کیفیات اور روحانی اقدار و اطوار کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ دینِ اِسلام کی علمی، فکری، عملی، معاشرتی اور تہذیبی و عمرانی و غیرہم تمام جہتوں میں اخلاص و احسان کا رنگ دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ اِنسان کے جسم و رُوح اور اِس کے وجود کی تمام پرتوں پر جاری و ساری ہے۔ تصوف کی تمام تر اصطلاحات قرآن و حدیث سے مأخوذ و مستنبط ہیں۔ اِس حوالے سے ہماری کتاب ’’حقیقتِ تصوف‘‘ کا مطالعہ فائدہ مند رہے گا۔ یہاں صرف اختصار سے چند نکات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

- ائمہ تصوف نے اپنے تمام معتقدات، تصورات اور معمولات کی بنیاد قرآن و سنت کو ٹھہرایا ہے، حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:

ایں راہ کسے باید کہ کتاب بر دست راست گرفتہ باشد و سنتِ مصطفی ﷺ بردستِ چپ، و در روشنائی ایں دو شمع مے رود، تانہ در مغاک شبہت اُفتد نہ در ظلمت بدعت۔(۱)

’’یہ راہ یعنی تصوف صرف وہی پا سکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآنِ حکیم

(۱) فرید الدین عطار، تذکرۃ الأولیاء: ۹

اور بائیں ہاتھ میں سنت رسول ﷺ ہو اور وہ اِن دو چراغوں کی روشنی میں راستہ طے کرے تاکہ نہ شک وشبہ کے گڑھوں میں گرے اور نہ ہی بدعت کے اندھیروں میں پھنسے۔‘‘

سلسلہ عالیہ چشتیہ کے نامور شیخ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی فرماتے ہیں:

مشربِ پیر ...... حجت نمی شود. دلیل از کتاب و حدیث مے باید۔[1]

’’شیخ طریقت کا مسلک حجت نہیں ہے دلیل قرآن و حدیث سے ہونی چاہئے۔‘‘

- تمام اکابر مشائخ و اولیاء کے نزدیک شیخِ طریقت ایسا ہونا چاہئے جو شریعت، طریقت اور حقیقت کے احکام و آداب و شرائط کا عالم ہو کیونکہ اگر وہ عالم ہوگا تو خود کسی ناجائز چیز کے بارے میں نہیں کہے گا۔
- روحانیت قال سے نہیں حال سے عبارت ہے۔ یہ علمی نظریہ کا نام نہیں بلکہ عملی تجربے کی چیز ہے اور یہ تجربہ بھی مادی نہیں سراسر باطنی ہے۔ روحانیت عقل وخرد اور دید شُنید سے حاصل ہونے والی چیز نہیں۔ یہ احساس، وجدان اور قلب و باطن کی راہ سے نصیب ہوتی ہے۔ یہ خارج سے نہیں، باطن سے پھوٹتی ہے۔ یہ تقریر و ابلاغ کے حسی و مادی تاروں سے نہیں، گرمی انفاس کی پاکیزہ موجوں سے پھیلتی ہے۔ یہ الفاظ کے قالب میں نہیں سماتی بلکہ احساس کی گہرائیوں میں اُترتی ہے۔ روحانیت کہنے سننے کی چیز نہیں، سیکھنے اور برتنے کی چیز ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جو اِنسان بطریقِ سلوک وتصوف پالیتا ہے اور شکوک و شبہات سے محفوظ و مامون ہو جاتا ہے۔ یہ تزکیہ نفس، تصفیہ باطن اور پاکیزگی نفس کا الوہی منہاج اور وصول الی اللہ کا باطنی و پوشیدہ راستہ ہے۔

شریعت وطریقت کا باہمی ربط وتعلق

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ دینِ اسلام میں اصل شریعت ہے اور اِس کی

(۱) عبد الحق، اخبار الاخیار: ۸۱

فرع طریقت ہے۔ شریعت سرچشمہ و منبع ہے اور طریقت اِس سے نکلا ہوا دریا ہے۔ طریقت کو شریعت سے جدا تصور کرنا غلط ہے۔ شریعت پر طریقت کا دار و مدار ہے۔ شریعت ہی معیار ہے۔ طریقت میں جو فیض ہے اور جو کچھ منکشف و مکشوف ہوتا ہے وہ شریعت ہی کے اِتباع کا صدقہ ہے۔ پس جو شخص طریقت، معرفت، حقیقت، سنتِ مصطفیٰ ﷺ اور شریعت مطہرہ کو جھٹلائے، مخالفت کرے اور رد کرے وہ بے دین ہے۔ اس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ جس طریقت میں شریعت کا پاس و لحاظ نہ ہو وہ بے دینی ہے اور جس شریعت کے ساتھ طریقت و معرفت نہ ہو وہ بھی ناقص اور ادھوری ہے۔ ظاہری اعمال کے ساتھ باطنی پاکیزگی کا حسین امتزاج ہی ہمارا نکتۂ امتیاز ہے۔

اہل اللہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرنا مسنون و مستحب ہے لیکن اِسی پر اکتفا کر لینا اور اوامر و نواہی کی پابندی نہ کرنا قطعاً درست نہیں۔ اصلاحِ باطن کے لئے بیعت کرنا مسنون ہے لیکن فرائض و واجبات اور سنن پر عمل دین کی بنیادی ضرورت ہے۔ بیعت کے لئے ضروری نہیں کہ رسماً کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دیا جائے بلکہ بیعت کا اصل مقصد دین پر استقلال کے ساتھ کاربند رہنے کا عہد ہے۔ شیخِ کامل کی معاونت اور رہنمائی سے نفس و شیطان کے خطرناک حملوں کا مؤثر دفاع اور عبادت و ریاضت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی قربت و محبت کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ یہ مقاصد اگر کسی اجتماعی نظم میں آ کر حاصل ہو جائیں تو باطن کی اصلاح کا یہ طریقہ بھی اختیار کرنا درست ہے۔ اس سے مقصود اصلاحِ نفس اور تزکیہ باطن ہے جس کا حصول اُستاد سے حاصل ہو، باپ سے، شیخ سے یا کسی اجتماعی نظم سے جملہ ذرائع درست ہیں، لیکن بیعت کو رسم و رواج یا عادت بنا لینا مقصودِ طریقت نہیں۔ کسی بھی سلسلۂ طریقت کو اختیار کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ مندرجہ بالا مقاصد حاصل ہوں ورنہ تصوف و طریقت کے نام پر آج کل بے شمار کاروباری قسم کے لوگ اپنی اپنی دکانیں کھول کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں سے حتی الامکان بچنا چاہیے۔ بے عملی، بے ادبی اور حرصِ جاہ و مال سے بچ کر ہی اصلاحِ نفس ممکن ہے۔

خانقاہی نظام اور عہدِ جدید

دینِ اِسلام کی ترویج و اشاعت کا کارنامہ بیشتر ممالک میں صوفیائے کرام ہی کی

تبلیغی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ انہی کی مساعی جمیلہ سے ہر سُو اِسلام پھیلتا چلا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اولیاء اللہ اور اربابِ طریقت کی والہانہ عقیدت و محبت اور اکرام و احترام کا جذبہ بغائت درجہ موج زن ہے۔ خانقاہی نظام ایک ایسا ادارہ ہے جہاں اِنسان کو مخلص، متقی، خدا ترس اور مخلوقِ خدا کا حقیقی اور سچا خیر خواہ بنانے کی تربیت دی جاتی تھی اِس نے برصغیر پاک و ہند کی تہذیبی، سماجی، معاشرتی، سیاسی، معاشی اور اخلاقی اقدار پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ یہ خانقاہی نظام ایک عرصہ تک اپنی انہی معیاری بنیادوں پر اُستوار رہا جن پر اِسے قائم کیا گیا تھا لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا کہ تعلیم و تربیت کا یہ معیاری نظام رُو بہ تنزل ہوتا چلا گیا۔

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ کوئی ادارہ اور نظام کتنا ہی مثالی کیوں نہ ہو بتمام و کمال عروج پر قائم نہیں رہ سکتا۔ زمانہ اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ اُسے کچل کر رکھ دیتا ہے۔ یہی حال خانقاہی نظام کے ساتھ بھی ہوا۔ شریعت اور طریقت کے مابین تفریق، شطحیات و انحرافات، ترکِ دنیا، مجاز پرستی کے ذریعے کئی خرافات اور سنت کے خلاف کئی اُمور ''روحانیت'' کے نام پر اِس میں درآئے جس کے باعث اس میں پہلے جیسا اخلاص، تقویٰ، اطاعت، خوفِ خدا اور بندگیٔ الٰہی کی روایت برقرار نہ رہی۔ لیکن اِس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ خود خانقاہوں کے اکابر شیوخِ طریقت نے اِن تمام اُمور کا سختی کے ساتھ نوٹس لیا اور اِس کی اصلاح و تجدید کی کوششیں شروع کر دیں۔ یہ مساعی جمیلہ جارحانہ کی بجائے خیر خواہانہ تھیں۔ تنقیح و تصریح اور تجدید و احیاء کی مؤثر آواز بلند ہوتی رہنی چاہیے تاکہ اِس نظام کو مثبت انداز کی تعمیری تنقید کے ذریعے خرافات سے پاک کیا جاتا رہے۔ لیکن چند ایک خرابیوں اور خلافِ سنت اُمور کو آڑ بنا کر پورے نظام کو فاسد اور باطل بنا دینا کہاں کی دانشمندی اور دین پروری ہے۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ اِن خلافِ شرع اُمور کو کبھی بھی مسلمہ اربابِ طریقت کی تائید اور تحسین حاصل نہیں ہوئی۔ ہم بھی نظامِ خانقاہی کے احیاء کے بھرپور حامی ہونے کے ساتھ اس کی اصلاح کے داعی اور منکرات کی شدید مذمت کرتے ہیں۔

۴۔ مزاراتِ اَولیاء کی زیارت اور حاضری کے آداب

اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری اور دُعا سے متعلق بعض طبقات کی سوچ اور طرزِ عمل افراط وتفریط کا شکار ہے۔ ایک طبقہ وہ ہے جو سرے سے اِس کے جواز کا ہی قائل نہیں بلکہ اِسے صریح شرک و بدعت گردانتا ہے۔ اِس کے برعکس ایک طبقہ عوام الناس کا ہے جسے اہلِ علم کی سند حاصل نہیں وہ بھی اِس سلسلہ میں جہالت اور تفریط میں مبتلا ہے۔ جمہور مسلمانوں کا مزارات پر طریقِ حاضری و دُعا نہایت معقول اور حزم و احتیاط کا آئینہ دار ہے۔ قاضی الحاجات، فریادرس اور حقیقی مشکل کشا اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ لیکن مقربینِ بارگاہِ الٰہی انبیاء و اولیاء کا دُعا میں توسل جائز ہے اور اِن کے توسل سے دُعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اِس سلسلہ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

> واز جملہ آدابِ زیارت است کہ روئے بجانب قبر و پشت بجانب قبلہ مقابل روئے میت بایستد و سلام دهد و مسح نکنند قبر را بدست و بوسہ ندهد آنرا و منحنی نشود و روئے بخاك نمالد کہ ایں عادتِ نصاریٰ است۔ وقرأت نزد قبر مکروہ است نزدِ ابی حنیفہ و نزدِ محمد مکروہ نیست۔ و صدر الشہید کہ یکے از مشائخ حنفیہ است بقولِ محمد اخز کرد و فتویٰ هم بریں است۔ و شیخ امام محمد بن الفضل گفتہ کہ مکروہ قرأتِ قرآن بہ جہر است واما مخافت لا بأس بہٖ است اگرچہ ختم کند۔[1]

(۱) شاہ عبدالحق، اشعۃ اللمعات، باب زیارۃ القبور: ۷۶۳

’’قبورِ اولیاء کی زیارات کے آداب میں سے ہے کہ زائرِ قبر کی طرف منہ اور قبلہ کی جانب پیٹھ کر کے صاحبِ قبر کے منہ کے برابر کھڑا ہو جائے، اُسے سلام کہے، ہاتھ سے قبر کو نہ چھوئے اور نہ قبر کو بوسہ دے اور نہ قبر کے سامنے جھکے اور قبر کے سامنے مٹی پر اپنا منہ نہ ملے کیونکہ یہ طریقہ نصاریٰ کا ہے۔ قبر کے پاس قرآن حکیم کی تلاوت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک (بآوازِ بلند) مکروہ ہے، مگر امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ علماءِ احناف میں سے صدر الشہید نے امام محمدؒ کے قول کو اختیار کیا ہے اور اِسی پر فتویٰ ہے۔ شیخ امام محمد بن الفضل نے کہا ہے کہ قبر کے نزدیک اُونچی آواز میں قرآن خوانی مکروہ ہے، لیکن اگر دھیمی آواز میں ہو تو سارا قرآن مجید پڑھ لینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔‘‘

یہ بات ذہن نشین رہے کہ صالحینِ اُمت کے مزارات کو بوسہ دینا ضروری اُمور میں سے نہیں ہے لہٰذا اس عمل کو منکرین و مخالفین کے ردِعمل میں بے ادبی اور گستاخی سمجھنا اچھا نہیں ہے۔ اکابر مشائخ کے ملفوظات اور اُن کے معمولات میں احتیاط پسندی کی خاطر بوسہ دینے سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ پیر سید مہر علی شاہ گولڑویؒ اِس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

پس اقربِ بصواب می نماید کہ کسے از ثقات و مقتدایان تقبیلِ مزارات متبرکہ ہم ننماید، تاکہ عوام کالانعام در ورطۂ ضلال نیفتند۔ چہ بہ سبب جہل فرق میانِ سجود و تقبیل کردن نمی توانند۔[۱]

’’بہتر یہی ہے کہ اربابِ علم اور رہنمایانِ قوم میں سے کوئی آدمی مزارات کا بوسہ نہ لے تاکہ دیکھا دیکھی میں بے علم اور عام اَن پڑھ لوگ گمراہی کے بھنور میں نہ پھنس جائیں۔ کیونکہ وہ جہالت کی وجہ سے بوسہ اور سجدہ میں تمیز نہیں کر سکتے۔‘‘

تعظیماً بوسہ دینا فی نفسہٖ منع اور ناجائز نہیں ہے۔ اکابر علماء و مشائخ نے صرف

(۱) پیر مہر علی شاہ، تحقیق الحق: ۱۵۹

احتیاط کی خاطر بوسہ دینے سے منع کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خواص کا عمل عامۃ الناس کے لئے دلیل و حجت ہوتا ہے اِس لئے خواص کو بطورِ خاص احتیاط کا دامن تھامنے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ خواص تو بوسہ اور سجدہ کا فرق بخوبی سمجھتے ہیں لیکن عوام یہ فرق نہیں سمجھتے اِس لئے عوام کی خاطر انہیں بھی منع کیا گیا ہے۔

مزاراتِ اولیاء پر دعا کا درست طریقہ

سلف صالحین نے قبورِ اولیاء پر حاضری دینے والے زائرین اور دُعا کرنے والوں کے لئے دو طریقے بیان کئے ہیں:

۱۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ دعا مانگنے والا اللہ تعالیٰ کا محتاج اور فقیر ہے اور اپنی حاجت اللہ تعالیٰ سے طلب کرتا ہے، مگر دُعا میں صاحبِ مزار کی روحانیت، بزرگی اور اُس کی خدماتِ جلیلہ کا وسیلہ پیش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے اور یہ عرض کرتا ہے کہ ’’اے میرے مولا! اِس صاحبِ مزار کی برکت سے اور اُس رحمت و عنایت کے صدقے جو تو نے اس صاحب مزار پر کی ہے اور اسے عظمت و بزرگی عطا فرمائی ہے، میری فلاں حاجت کو پورا فرما، کیونکہ حقیقی عطا کرنے والا اور مرادیں پوری کرنے والا تو ہے۔‘‘

۲۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ دعا مانگنے والا صاحبِ مزار کو مخاطب کرتے ہوئے کہے کہ ’’اے اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے! میری فلاں مراد اللہ تعالیٰ سے طلب کیجئے، اللہ تعالیٰ مجھے میری مطلوب شے عطا کر دے۔‘‘ اِس طرح بھی سوال اللہ تعالیٰ ہی سے کیا جاتا ہے کیونکہ حقیقی مشکل کشا وہی ذات ہے، لیکن یہ اسلوب اختیار کرنا بطریقِ مجاز ہے جس کے تحت صاحبِ قبر کو بطور وسیلہ پیش کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ بھی اِس لئے جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ جسے چاہے اس کی التجا سنوا دے کیونکہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ کوئی قبر والا ہو یا زندہ چلتا پھرتا انسان، اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کے بغیر نہیں سن سکتا۔ یہ امر بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ دُعا کرنے والے کی

آواز کو قبر والے تک پہنچا دے اور پھر صاحبِ قبر عالمِ ارواح میں اللہ تعالیٰ سے اُس حاجت مند کے مقاصد کو پورا کر دینے کی التجا کرے۔ اِس طریقے میں بھی حاجت مند بالواسطہ اللہ تعالیٰ ہی سے مانگ رہا ہوتا ہے نہ کے صاحبِ قبر سے۔

- اِن نازک اعتقادی اُمور کو بڑی احتیاط کے ساتھ عامۃ المسلمین کے سامنے بیان کرنا چاہیے۔ بعض حضرات مزارات پر حاضری دیتے وقت ایسے اعمال و افعال کرتے ہیں جو جمہور امت کے شعار کے خلاف ہیں۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاندین ومخالفین کو اعتراض کا موقع مل جاتا ہے۔ اس میں قصور درحقیقت ہمارے ان بعض ائمہ و خطبا کا ہوتا ہے جو ایسے نازک عقائد میں احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھتے اور بے جا تاویلات اور اُلٹے سیدھے دلائل عوام کی تائید کی خاطر بیان کرتے رہتے ہیں۔ اس سے ناقص لوگوں کے ذہن اُلجھاؤ کا شکار ہو جاتے ہیں۔

- ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حیات شیخ و مرشد سے دُعا کرانے کی صورت میں بھی حاجت مانگنا اللہ تعالیٰ ہی سے متصور ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی تو اللہ تعالیٰ ہی سے مانگتا ہے۔ کوئی ولی اللہ یا شیخِ طریقت یہ نہیں کہتا کہ ’’اے حاجت مند! یہ سب کچھ میں تجھے دے رہا ہوں،‘‘ بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ تم بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو اور ہم بھی اُسی سے تمہارے لئے دعا کرتے ہیں۔ بعض اوقات کئی جہلا ’’پیر صاحب‘‘ کو مخاطب کرکے کہتے ہیں: ’’یا صاحبِ مزار مجھے اولاد دے دیں، صحت دے دیں یا فلاں مسئلہ حل کر دیں۔‘‘ ایسے موقعوں پر دین سے محبت، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ بروقت ایسے لوگوں کی اصلاح کر دی جائے۔

۳۔ بزرگوں کے نزدیک دُعا میں زیادہ پسندیدہ اور محتاط طریقہ یہی ہے کہ قرآن و سنت میں منقول دُعائیں مانگنا معمول بنایا جائے اور حضرات انبیاء علیھم السلام و اولیاء کرام کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے۔ اگر خاص حاجت مانگنی ہو تو حضرات انبیاء و اولیاء ومقربینِ بارگاہ اِلٰہی سے اور بالخصوص حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں درخواست کی جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بے کس پناہ میں دُعا فرما دیں کہ ہماری مشکلات آسان

فرما دے اور حاجتیں بر لائے۔ یہ وہ محتاط طریقہ دُعا ہے جس پر کوئی شخص اعتراض نہیں کر سکتا۔حزم و احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جہاں توہمات اور بدعات و خرافات میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اُس راستہ کو یکسر بند کر دیا جائے۔

باقی رہے خواص تو اپنی خداداد بصیرت اور رُوحانی طاقت سے عالمِ کشف میں وہ صاحبانِ قبر سے ہم کلام بھی ہوتے ہیں اور صاحبِ مزار سے رابطہ بھی رکھتے ہیں۔ جہاں صالحین کے مزار کی زیارت سے زائرین کو روحانی فیض و برکت حاصل ہوتی ہے وہاں بعض اوقات صاحبِ ولایت و مقام زائرین سے صاحبانِ قبر کی رُوح بھی روحانی برکت و فیض حاصل کرتی ہے۔

حضرات انبیاء علیھم السلام اور اولیاء کرام کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ ذاتی یا مستقل طور پر متصرف ہیں یا اِس طرح تصرف و اختیار میں شریک سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ اُن کی شرکت کے بغیر کائنات کا نظام نہیں چلا سکتا، کفر ہے۔ اس طرح کی ہر غلطی کی اصلاح کر کے اسے جڑ سے اُکھاڑ پھینکنا چاہیئے۔ بزرگوں سے عقیدت اپنی جگہ لیکن کسی بھی مسئلہ میں غلو جائز نہیں۔

مزارات کے طواف اور شور وغل کی ممانعت

کعبۃ اللہ کے علاوہ کسی مقام یا قبر کا طوافِ تعظیمی منع ہے۔فقہائے کرام نے قبرستان میں خیرات اور شیرینی تقسیم کرنے سے اس لئے منع کیا ہے کہ تقسیم کے وقت بچے اور عورتیں شور وغل کرتے ہیں۔ قبرستان کا ادب و احترام قائم نہیں رہتا لہٰذا ایسا کرنے میں بھی احتیاط کرنی چاہیے۔ مساکین اور زائرین کے لئے مزارات پر الگ اہتمام ہونا چاہیے۔ مقبولانِ بارگاہِ خداوندی کے اعراس میں جو ناجائز افعال و اعمال کئے جاتے ہیں اِن سے صاحبِ مزار کو تکلیف و اذیت پہنچتی ہے۔ اِس طرح صاحبِ مزار کا فیض اور برکت زائر کو نصیب نہیں ہوتی۔ خیرات کی چیزیں اُوپر سے پھینکنا اور لوگوں کا اُن کو بطور تبرک حاصل کرنے کے لئے شور وغل کرنا، ایسے تمام اُمور غلط ہیں اور سلف صالحین نے

اِن کی حوصلہ شکنی کی ہے۔ اس طرزِ عمل سے ایک تو رزق کی بے حرمتی ہوتی ہے، دوسرا مزار کا ماحول اور اُس کا تقدس پامال ہوتا ہے اور تیسرا اِس میں ریاکاری کا عمل دخل ہے۔ لہٰذا ایسے تمام اُمور سے پرہیز کرنا چاہیے۔

مزارات پر نذر و نیاز اور تبرک کی حقیقت

مزاراتِ اولیاء پر نذر و نیاز دینے اور وہاں ’’لنگر‘‘ پکانے یا کھانے کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ یہ ایک نیک عمل ہے جس کی اصل قرآن و سنت میں موجود ہے۔ یہ صدقہ جاریہ کی ایک مستحسن صورت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کو نواز رکھا ہے۔ ’’**اطعام الطعام**‘‘ تعلیمات قرآن و سنت کی معروف اصطلاح اور اسلامی تہذیب و ثقافت کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ سورۃ الدھر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اور مخلص بندوں کی خصوصیات بیان فرمائی ہیں جن میں ضرورت مندوں اور ناداروں کو کھانا کھلانا بنیادی خصوصیت قرار دیا گیا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ○ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ○ إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ○(۱)

’’اور (اپنا) کھانا اللہ کی محبت میں (خود اس کی طلب و حاجت ہونے کے باوُجود اِیثاراً) محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں○ (اور کہتے ہیں کہ) ہم تو محض اللہ کی رضا کیلئے تمہیں کھلا رہے ہیں، نہ تم سے کسی بدلہ کے خواستگار ہیں اور نہ شکرگزاری کے (خواہشمند) ہیں○ ہمیں تو اپنے ربّ سے اُس دن کا خوف رہتا ہے جو (چہروں کو) نہایت سیاہ (اور) بدنما کر دینے والا ہے○‘‘

یہ کام اہل اللہ کے نزدیک نفلی عبادت سے زیادہ باعثِ ثواب ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ مخلوقِ خدا کی خدمت دراصل اللہ تعالیٰ کو خوش رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ

(۱) الدھر، ۷۶: ۸-۱۰

حضور ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا نمایاں وصف ہے اور اسوۂ حسنہ کے اتباع میں تمام صوفیاء کا معمول رہا ہے۔ حضور ﷺ خود یتیموں، مسکینوں اور ناداروں کا سہارا اور ملجا تھے۔ آپ ﷺ سے مروی متعدد احادیث میں ''اطعام الطعام'' کی ترغیب اور حکم موجود ہے۔ بلکہ بعض صحیح احادیث میں بیان ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے اسلام کی تعریف اور بنیادی خصوصیات میں کھانا کھلانے اور دوسرے کی خیر خواہی چاہنے کو شامل فرمایا۔ ملاحظہ ہو فرمان نبوی:

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے کسی نے سوال کیا:

أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ؟ قَالَ: تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَ مَنْ لَمْ تَعْرِفْ. (۱)

''بہترین اسلام کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو کھانا کھلائے اور سلام کرے اس شخص کو جس کو تو پہچانتا ہو یا نہ پہچانتا ہو۔''

۲۔ اسی طرح مشہور صحابی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے دریافت فرمایا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جس کی بجا آوری سے میں جنت کا حق دار ٹھہر سکوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

أَطْعِمِ الطَّعَامَ، وَ أَفْشِ السَّلَامَ، وَصِلِ الْأَرْحَامَ، وَصَلِّ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ. (۲)

''ضرورت مند کو کھانا کھلاؤ، سلام (سلامتی اور خیر خواہی) کو عام کرو، صلہ رحمی کرو

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب افشاء السلام، ۱: ۱۹، رقم: ۲۸
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب تفاضل الإیمان، ۱:۶۵، رقم: ۳۹
۳۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الأدب، باب فی افشاء السلام، ۴: ۳۵۰، رقم: ۵۱۹۴

(۲) ۱۔ ابن حبان، الصحیح، ۲:۲۹۹، رقم: ۲۵۵۹
۲۔ حاکم، المستدرک، ۴:۱۴۴، رقم: ۷۱۷۴

اور دوسرے لوگ نیند کے مزے لے رہے ہوں تو تم اٹھ کر نماز (تہجد) پڑھا کرو (ان اعمال کے باعث تم) سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔‘‘

۳۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت مدینہ تشریف لائے تو اول کلام جو میں نے ان سے سنا وہ یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ وَ أَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوْا وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ.(۱)

’’لوگو! سلام کو عام کرو اور کھانا کھلاؤ اور جب لوگ سو رہے ہوں، نماز پڑھو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔‘‘

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے اس سے مماثل روایت ہے جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اطعام الطعام کو اللہ کی عبادت کا ہم پلہ عمل قرار دیتے ہوئے فرمایا:

اعْبُدُوا الرَّحْمٰنَ وَ أَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَ أَفْشُوا السَّلَامَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ.(۲)

’’تم رحمٰن کی عبادت کرو اور کھانا کھلاؤ اور سلام عام کرو ان تین امور کی انجام

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب صفة القيامة، ۴: ۶۵۲، رقم: ۲۴۸۵
۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأطعمة، ۲: ۱۰۸۳، رقم: ۳۲۵۱
۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۴۵۱، رقم: ۲۳۸۳۵

(۲) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الأطعمة، باب فضل اطعام الطعام، ۴: ۲۸۷، رقم: ۱۸۵۵
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۷۰، رقم: ۶۵۸۷
۳۔ دارمی، السنن، ۲: ۱۴۸، رقم: ۲۰۸۱
۴۔ بزار، المسند، ۶: ۳۸۳، رقم: ۲۴۰۲
۵۔ بخاری، الأدب المفرد، ۱: ۳۴۰، رقم: ۹۸۱

دہی کے ثمر کے طور پر تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔‘‘

آپ نے قرآن و سنت کے واضح احکام کو ملاحظہ کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے کھانا کھلانے کا کس قدر اہتمام اور تاکید کے ساتھ ذکر فرمایا۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ کے متقی، پرہیزگار، مخلصین اور محبین، اللہ تعالیٰ سے قربت اور اخلاص کا دعویٰ کریں اور اس کے محبوب رسول ﷺ کی محبت و اطاعت کا دم بھی بھریں لیکن ان کے ہاں مخلوقِ خدا کو خیر خواہی نہ ملے، بھوکوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب اور عملی مظاہرہ نہ ہو چنانچہ مقربینِ بارگاہِ ایزدی جب حیات ہوتے ہیں خود بھی مخلوق کے لیے سراپا خیر ہوتے ہیں، ان کے دوست دشمن، امیر غریب جاننے والے اور غیر سب کے لیے ان کا دست عطا کھلا رہتا ہے اور جب وہ دنیا سے چلے جاتے ہیں تو اس وقت بھی ان کے اس عمل خیر میں انقطاع نہیں ہوتا۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں جہاں جہاں ایسے مزارات ہیں وہاں قائم لنگرخانوں میں نادار، غریب اور مفلوک الحال لوگ پیٹ کی آگ بجھاتے ہیں۔ انہیں دو وقت کا کھانا مفت ملتا ہے تو یہ خود ایک بہت بڑی انسانی خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی میں ان کے اخلاصِ عمل کو برکت سے نواز کر ان کے وصال کے بعد بھی ایصالِ ثواب کی یہ سبیل جاری رکھی ہوئی ہے۔ یہ دراصل زمین پر مائدۃ الرحمٰن (الوہی دسترخوان) ہے جس کی سعادت سے یہی عظیم المرتبت لوگ نوازے جاتے ہیں۔ انسانی استطاعت و طاقت سے یہ ممکن نہیں ہوتا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق اور عنایت سے ہی اس قدر وسیع اسباب و وسائل میسر آتے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں ایسے مزارات بکثرت موجود ہیں مثلاً سیدنا علی بن عثمان الھجویری المعروف داتا صاحبؒ، حضرت بابا فرید مسعود گنج شکرؒ پاک پتن شریف، خواجہ ھند حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، حضرت بہاؤ الدین ذکریا ملتانیؒ، حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح کے سینکڑوں مراکز اور مقامات ہیں جہاں آج بھی ہزاروں اور لاکھوں ایسے لوگ کھانا

کھاتے ہیں جو بے روزگار اور بے سہارا ہوتے ہیں۔ غریب اور یتیم بچے، عورتیں، بوڑھے اور بیمار، سب بلاتمیز رنگ و نسل، عقیدہ و مذہب ان آستانوں پر آزادانہ کھاتے پیتے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق حضرت داتا صاحب کے احاطۂ مزار میں ہر روز ۲۰ سے ۳۰ ہزار لوگ مختلف شکلوں میں ''لنگر'' سے کھانا حاصل کرتے ہیں۔ اتنی بڑی تعداد میں بھوکوں، بے روزگاروں اور ضرورت مندوں کو کھانا کھلانا کوئی معمولی بات نہیں۔

یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی خصوصی عطاء سے ہی ممکن ہے ورنہ دنیا کا کوئی بادشاہ، دولت مند شخص یا تنظیم ایسا کرنے کی صلاحیت و قدرت نہیں رکھتی۔ پھر یہ سلسلہ دو چار دنوں یا مہینوں سے نہیں بلکہ صدیوں سے جاری و ساری ہے۔ ایسے نیک اور خدمتِ خلق پر مبنی عمل کو بلاسوچے سمجھے شرک و بدعت اور حرام کہنا بجائے خود بہت بڑی جسارت ہے۔ جیسا کہ اوپر ہم عرض کر چکے ہیں کہ یہ ''**اطعام الطعام**'' کے فرمانِ الٰہی پر عمل درآمد کی ایک بہترین شکل ہے۔ جائز مشروع اور مخلوقِ خدا کیلئے مفید عمل کو بلادلیل ناجائز عمل کہنا دراصل دین میں تجاوز ہے۔ یہ ایک طرف کی سوچ اور نقطۂ نظر ہے۔

دوسری طرف اس سے بھی زیادہ قباحتیں موجود ہیں۔ انہی قباحتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کئی لوگوں نے اس لنگر یا نذر و نیاز کے کھانے سے متعلق بہت سی خود ساختہ باتیں گھڑ رکھی ہیں۔ کہیں اس کی شفا کے مبالغہ آمیز تذکرے کیے جاتے ہیں، کہیں اس کے عدمِ استعمال پر انجام بد سے ڈرایا جاتا ہے اور کسی جگہ کا لنگر ہر گناہ اور معصیت سے چھٹکارے کا ضامن سمجھا جاتا ہے۔ بزرگانِ دین کے مزارات اور ان کی قربت بلاشبہ باعثِ خیر و برکت ہے اور ان کے آستانوں پر توسلاً اللہ پاک بیماروں کو شفا بھی دیتا ہے مگر یہ سب فوائد اضافی ہیں بنیادی غرض و غایت تو ضرورت مندوں کی بھوک کا ازالہ ہے۔

علاوہ ازیں بعض مقامات اور مزارات پر اس نیک عمل کو بے جا پابندیوں اور اضافی شرطوں سے خاص کر دیا جاتا ہے مثلاً شیرینی کے ساتھ مختلف تحریریں لکھ دی جاتی ہیں جن کے ذریعے زائرین پر نفسیاتی طور پر ترغیب و ترھیب سے اثر انداز ہونے کی کوشش بھی کی جاتی ہے کہ ''یہ کھانے سے اتنے پھیرے اور اسی طرح کی نیاز کی مزید تقسیم ضروری

ہے۔'' وغیرہ۔

یہ سب رسوم و رواج جہالت اور مزارات کے غلط استعمال کی مختلف شکلیں ہیں ایسی قباحتوں سے صاحبِ مزار کو یقیناً تکلیف پہنچتی ہے اس لئے ایسے امور سے ہر ممکن بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ عرس کی شیرینی کھانے کے فضائل بیان کرنے اور نہ کھانے والے کو محروم سمجھے جانے کی کوئی اصل نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلویؒ سے پوچھا گیا کہ عرس کی شیرینی کے متعلق یہ کہنا کہ جوکوئی اِس کو کھائے گا اُس کا جنت مقام و دوزخ حرام ہے یہ کہنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

انہوں نے جواب دیا: ''یہ کہنا جزاف اور یاوہ گوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کس کا جنت مقام اور کس پر دوزخ حرام ہے۔ عرس کی شیرینی کھانے پر اللہ و رسول کا کوئی وعدہ ایسا نہیں ثابت جس کے بھروسہ پر یہ حکم لگا سکیں۔ یہ تقول علی اللہ کے مترادف ہے اور وہ ناجائز ہے۔

قال اللہ تعالی: اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (مریم، ۱۹:۷۸)، قال اللہ تعالی: أَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرة، ۲:۸۰). [۱]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وہ غیب پر مطلع ہے یا اس نے (خدائے) رحمٰن سے (کوئی) عہد لے رکھا ہے؟ (اسی طرح) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تم اللہ پر یونہی (وہ) بہتان باندھتے ہو جو تم خود بھی نہیں جانتے۔''

کلماتِ توسُّل میں احتیاط

اگر کوئی جاہل یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ کے بغیر دُعا قابلِ سماعت ہی نہیں یا وسیلہ کا معنی یہ سمجھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ پر العیاذ باللہ کوئی بوجھ یا دباؤ پڑتا ہے، تو ایسا عقیدہ باطل ہے جس کا سلف صالحین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۱) احمد رضا خان، فتاویٰ رضویہ، ۹:۲۱۴

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلویؒ سے مزارات پر فاتحہ کے طریقہ کے متعلق پوچھا گیا کہ ’’بزرگوں کے مزار پر جائیں تو فاتحہ کس طرح سے پڑھا کریں؟‘‘ انہوں نے جواب دیا: ’’مزاراتِ شریفہ پر حاضر ہونے میں پائنتی کی طرف سے جائے اور کم از کم چار ہاتھ کے فاصلہ پر مواجہہ میں کھڑا ہو اور متوسط آواز میں مودِبانہ سلام کرے۔ ختم وغیرہ پڑھ کر اللہ ﷻ سے دعا کرے کہ الٰہی اس قرأت پر مجھے اتنا ثواب دے جو تیرے کرم کے قابل ہے نہ اِتنا جو میرے عمل کے قابل ہے اور اِسے میری طرف سے اِس بندۂ مقبول کو نذر پہنچا۔ پھر اپنا جو مطلب جائز شرعی ہو اُس کے لئے دُعا کرے اور صاحبِ مزار کی رُوح کو اللہ ﷻ کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ قرار دے۔ پھر اُسی طرح سلام کر کے واپس آئے۔ مزار کو ہاتھ نہ لگائے، نہ بوسہ دے۔ طواف بالاتفاق ناجائز ہے جبکہ سجدہ حرام ہے۔‘‘(۱)

سجدۂ تعظیمی اور قبر کی سمت سجدہ کرنے کی ممانعت

سجدہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں۔ غیر اللہ کو سجدۂ عبادت کھلا کفر ہے اور سجدۂ تعظیمی حرام ہے بلکہ ایسا عمل بھی ممنوع ہے جو سجدہ کی سی مشابہت رکھتا ہو وہ بھی مزارات پر نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت ابو مرثد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

لَا تُصَلُّوْا إِلَى الْقُبُوْرِ وَ لَا تَجْلِسُوْا عَلَيْهَا. (۲)

---

(۱) احمد رضا خان، فتاویٰ رضویہ، ۴: ۲۱۲

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجنائز، باب النہی عن الجلوس علی القبر، ۲: ۶۶۸، رقم: ۹۷۲

۲۔ نسائی، السنن، کتاب القبلۃ، باب النہی عن الصلوۃ إلی القبر، ۲: ۶۷، رقم: ۷۶۰

۳۔ احمد بن حنبل، ۴: ۱۳۵

’’قبروں کی طرف رخ کر کے نماز نہ پڑھو اور نہ اُن پر بیٹھو۔‘‘

عامۃ الناس میں سے بعض لوگ مزارات کو بوسہ دیتے اور چوکھٹ چومتے ہیں یہ ناپسندیدہ فعل، مکروہ کے زمرے میں داخل ہے مگر شرک کے دائرے میں نہیں آتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین بوسی حقیقتاً سجدہ نہیں کیونکہ سجدہ میں سات اعضاء کا بیک وقت زمین پر رکھنا ضروری ہے۔ ہاں زمین بوسی اِس وجہ سے ممنوع ہے کہ مشابہتًا بت پرستی اور صورۃً قریبِ سجدہ ہے۔ حقیقتاً سجدہ نہ سہی پھر بھی منع ہے۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی مولانا احمد رضا خانؒ نے اِس مسئلہ پر باقاعدہ الگ کتاب ’’**الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ**‘‘ لکھی ہے جس میں انہوں نے ٹھوس دلائل سے سجدۂ تعظیمی اور خلافِ شرع اُمور کی تردید فرمائی ہے۔

اَعراس سے متعلقہ اُمور میں احتیاط

متعلقاتِ اعراس کے بارے میں مخالفین کا طرزِ عمل تو واضح ہے کہ وہ ہر جائز اور مباح کو شرک و بدعت گردانتے ہیں جو کہ قرآن و سنت کے نصوص کے برعکس ہے لیکن ان مبارک امور کو ماننے والے بھی بعض اوقات ان کی انجام دہی میں بڑی بے احتیاطی کرتے ہیں لہٰذا انہیں محتاط طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ پیر سید مہر علی شاہ گولڑویؒ اِن نازک اُمور کے بارے میں لکھتے ہیں:

> این طعن مبنی است بر جہل بہ احوالِ مطعون علیہ زیرا کہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ را ہیچ کس فرض نمی داند۔ آرے زیارت و تبرک بہ قبورِ صالحین و امدادِ ایشاں باہداء ثواب و تلاوتِ قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب موجبِ فلاح و نجات است۔ و خلف را لازم است کہ سلف خود را بدیں نوع برّو احسان نماید، چنانچہ در احادیث ثابت است کہ ولد صالح یدعو لہ۔ تلاوتِ قرآن و اہدائے ثواب را عبادت

قرار دادن، مبنی بر کمالِ بلادت و افراطِ جہل است۔ آرے اگر کسے سجدہ و طواف بہ نحوِ یا فلاں افعل کذا آرد مشابہت بہ عبدۃُ الاوثان کردہ باشد وچوں چنیں نیست پس در محل طعن نباشد۔[1]

’’یہ طعن اور اعتراض حقیقتِ حال سے عدم واقفیت کے باعث کیا گیا ہے اِس لئے کہ شریعت کے مقرر کردہ فرائض کے سوا کوئی آدمی کسی شے کو اپنی طرف سے فرض نہیں سمجھتا۔ ہاں البتہ اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کرنا اور اُن سے فیض و برکت حاصل کرنا اور قرآنِ حکیم کی تلاوت کے بعد اُن کی ارواحِ طیبہ کو ثواب کا ہدیہ پیش کر کے اُن کی مدد کرنا، وہاں اچھی دُعائیں کرنا، مٹھائی یا کھانا تقسیم کرنا ایک اچھا عمل ہے اور فلاح ونجات کا بہت اچھا ذریعہ ہے۔ بعد میں آنے والوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے اسلاف پر اس طرح کا احسان کریں چنانچہ احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ نیک اولاد ماں باپ کے لئے دُعا مانگے۔ قرآن حکیم کی تلاوت اور اِس کے ایصالِ ثواب کو عبادت کے زُمرے میں داخل کرنا بے وقوفی اور جہالت پر مبنی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص کسی قبر کے سامنے سجدہ کرے یا اُس کا طواف کرے یا اِن الفاظ میں دُعا کرے کہ اے صاحبِ مزار! میرا فلاں کام یوں کر دے، ایسا کرنا بتوں کے پجاریوں سے مشابہت پیدا کرتا ہے۔ چونکہ اولیاء اللہ کی قبروں پر آنے والے اِس طرح کا کوئی عمل نہیں کرتے اِس لئے اُن پر اِس قسم کا طعن درست نہیں ہے۔‘‘

یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی مزار پر جا کر براہِ راست اُنہیں حاجت روا سمجھ کر ایسے الفاظ کہنا جائز نہیں۔ اِس سلسلہ میں ہمیں لوگوں کو صحیح اور متوازن طریقہ بتاتے رہنا چاہیے۔ مشکل کشا، داتا گنج بخش، غریب نواز، دستگیر وغیرہ جیسے القابات جو بزرگوں کے ساتھ اِستعمال کیے جاتے ہیں، مجازاً کئے جاتے ہیں۔ اِن الفاظ کو حقیقتاً اور مستقلاً کسی کے ساتھ بھی اِستعمال کرنا جائز نہیں۔

(۱) مہر علی شاہ، اعلاء کلمۃ اللہ: ۶۶

۵۔ ضعفِ اِعتقاد پر مبنی رسوم سے اِجتناب کی ضرورت

دینِ اسلام کے احکام اور اوامر و نواہی کا منبع اور سرچشمہ قرآن اور سنت و سیرت نبوی ﷺ ہے۔ اچھے اور صالح اسلامی معاشرے میں لوگ اطاعت الٰہی اور اتباع رسول ﷺ کو ہی معیارِ عمل سمجھتے ہیں۔ تاہم دین سے دوری اور بے عملی کی وجہ سے ہر دور میں کچھ طبقات معاملاتِ حیات میں ڈگمگا جاتے ہیں۔ ایسے میں علمائے حق اور داعیان دین کا فریضہ ہوتا ہے کہ وہ سادہ لوح لوگوں کی ہدایت و رہنمائی فرمائیں۔ جائز اور ناجائز میں، حلال و حرام میں، توحید اور شرک میں فرق سمجھائیں۔ احکامِ دین کی تبلیغ میں ذاتی مفادات کو آڑے نہ آنے دیں ورنہ دین کھیل بن جائے گا۔ ذیل میں اسی طرح کے کچھ امور کا ذکر ہو رہا ہے جن میں احتیاط اور پرہیز ضروری ہے مثلاً

مزارات کے درختوں کے نیچے منتیں ماننا

بعض مزارات کے قریب بیری وغیرہ کے درخت ہوتے ہیں جن کے نیچے لوگ چادریں بچھا کر بیٹھتے ہیں۔ اگر بیر گرے تو اُس کا احترام بجا لاتے ہیں اور اُس سے روزہ افطار کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ بیری کے پھل سے بیٹے کی فال نکالتے ہیں اور اگر پتے گریں تو بیٹیوں کی فال نکالتے ہیں۔ کوئی شخص خود بیر توڑ لے تو اُسے بھی سخت برا گردانتے ہیں۔ یہ تمام اُمور توہم پرستی کو فروغ دینے والے ہیں اور ایسے تمام اُمور بے بنیاد ہیں اور شرعاً ان کی کوئی اصل نہیں لہٰذا علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو حقائق سے آگاہ کریں۔

- اسی طرح قبر بلا مقبور کی زیارت کرنے کی کوئی اصل نہیں ہے۔ بعض جہلاء فرضی مزارات بنا کر اس کے ساتھ اصل کا سا معاملہ کرتے ہیں جس کی فقہائے کرام نے

اجازت نہیں دی۔ جس طرح کہ بعض جگہ لوگوں نے حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے نام سے مزارات وغیرہ بنائے ہوئے ہیں جن پر عرس کرتے ہیں۔ محدث بریلویؒ سے اس سلسلے میں پوچھا گیا کہ ''پیرانِ پیرؒ کے نام سے بعض جگہ مزار بنا لیا گیا ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اِن کے مزار کی اینٹ دفن ہے۔ اِس مزار میں ایسی جگہ جا کر عرس کرنا، چادر چڑھانا کیسا ہے وہ قابلِ تعظیم ہے یا نہیں؟'' آپ نے جواب دیا: ''جھوٹا مزار بنانا اور اُس کی تعظیم جائز نہیں۔''(۱)

● اِسی طرح بعض اولیاء اللہ کے مزارات کے قریب ایسے درخت ہوتے ہیں جن کے بارے میں لوگوں میں مشہور ہوتا ہے کہ اِن کے کاٹنے سے صاحبانِ مزار ناراض ہو جاتے ہیں لہٰذا اِنہیں کاٹنا مقاماتِ حرم کی طرح حرام ہے۔ یہ سراسر جہالت ہے اور یہ بھی شرک فی التحریم ہے۔ علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ درست اور غلط عقیدے میں امتیاز پیدا کریں اور ایسے شرکیہ عقائد سے عوام وخواص کو منع کریں۔

سر پر چوٹی رکھنا

مردوں کا سر پر کسی بھی بزرگ کے نام پر چوٹی رکھنا اور پھر کٹوانے کی نذر و منت ماننا شرعاً جائز نہیں۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلویؒ نے نہایت عمدہ لکھا ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ کیا مرد کو چوٹی رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض فقیر چوٹی رکھتے ہیں؟

آپ نے فرمایا کہ حرام ہے، حدیث میں آیا ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَعَنَ الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ. [ابن ماجة، السنن، كتاب النكاح، باب فی المخنثين، ۱: ۶۱۴، رقم: ۱۹۰۴](۲)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے ان مردوں پر جو عورتوں سے مشابہت رکھیں اور ایسی

---

(۱) فتاویٰ رضویه، ۴: ۱۱۶

(۲) احمد رضا خان، الملفوظ، ۲: ۲۱۰

عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت پیدا کریں، لعنت کی ہے۔‘‘

بچوں کے سر پر اولیاء کے نام کی چوٹی رکھنے کے متعلق حضرت فاضل بریلویؒ مزید لکھتے ہیں: ’’بعض جاہل عورتوں میں دستور ہے کہ بچے کے سر پر بعض اولیائے کرام کے نام کی چوٹی رکھتی ہیں اور اِس کی کچھ میعاد مقرر کرتی ہیں۔ اِس میعاد تک کتنی ہی بار بچے کا سر منڈے وہ چوٹی برقرار رکھتی ہیں، پھر میعاد گذار کر مزار پر لے جا کر وہ بال اُتارتی ہیں تو یہ محض بے اصل و بدعت ہے۔‘‘(۱)

مختلف درختوں میں ارواحِ شہداء و اولیاء کا تصور کرنا

کئی دیہاتوں میں بعض جہلاء درختوں کے ساتھ عجیب و غریب داستانیں وضع کئے ہوئے ہیں اور فرضی قصے کہانیاں سنا کر مجاور لوگ لنگر کے لئے تحائف و ہدایا اکٹھے کرتے ہیں۔ اِن سے متعلق محدث بریلویؒ سے مسئلہ پوچھا گیا: ’’کیا فرماتے ہیں علمائے اہلسنت اِس صورت میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں درخت پر شہید مرد ہیں اور فلاں طاق میں شہید مرد رہتے ہیں اور اُس درخت اور اُس طاق کے پاس جا کر ہر جمعرات کو فاتحہ، شیرینی اور چاول وغیرہ دلاتے ہیں، ہار لٹکاتے ہیں، لوبان سلگاتے ہیں، مرادیں مانگتے ہیں اور ایسا دستور اِس شہر میں بہت جگہ واقع ہے، کیا شہید مردان درختوں اور طاقوں میں رہتے ہیں اور یہ اشخاص حق پر ہیں یا باطل؟‘‘ محدث بریلویؒ نے اس سے منع کرتے ہوئے جواب دیا: ’’یہ سب واہیات و خرافات اور جاہلانہ حماقات و بطالات ہیں اِن کا ازالہ لازم ہے۔ **ما أنزل اللہ بها من سلطان ولاحول ولا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم**۔‘‘(۲)

حلف میں احتیاط کا پہلو

شرعی حلف اللہ تعالیٰ کے نام کا ہوتا ہے تاہم فقہائے اُمت کے نزدیک کلام اللہ

---

(۱) فتاویٰ افریقہ: ۶۸

(۱) احمد رضا خان، احکام شریعت، ۱:۳۲

اور حضور نبی اکرم ﷺ کے نام پر بھی حلف منعقد ہوجاتا ہے اور مستقبل میں کسی اَمر کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھانا اور پھر توڑ دینے کی صورت میں کفّارہ لازم ہو جاتا ہے۔ اِس کے علاوہ اگر کوئی شخص کسی اور کے نام کا حلف اُٹھائے اور یہ عقیدہ رکھے کہ اِس کی حرمت اور حیثیت اُسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی یا کلام اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے حلف کی، تو یہ عقیدہ اصلاح طلب ہے کیونکہ اعتقاداً کسی اور کے نام پر قسم کی حرمت کو اللہ تعالیٰ کی قسم کی مثل جاننا شرک ہے۔ اگر کوئی شخص بوجہ جہالت یا سہواً کسی اور کی قسم اُٹھائے تو وہ شرعی حلف نہیں ہوگا اِس لئے اِس پر کفّارہ لازم نہیں۔

ایصالِ ثواب اور نذر و نیاز کے طریقوں میں احتیاط

نذر و نیاز برائے ایصالِ ثواب اور گیارہویں شریف وغیرہ جیسے مباح مستحب اور مستحسن اُمور کے بارے میں بعض علاقوں میں بہت سی چیزیں بوجہ جہالت رواج پا گئی ہیں جو ازروئے شرع جائز نہیں مثلاً کوئی یہ کہے کہ اگر اُس نے گیارہویں کا دودھ نہ دیا تو اِس کی وجہ سے بھینس یا گائے مر جائے گی، وہ بیمار ہو جائے گی یا رزق کم ہو جائے گا، اولاد کی موت واقع ہو جائے گی، گھر میں نقصان ہو جائے گا۔ اِسی طرح کاروبار اور کھیتی میں بزرگوں کا حصہ یعنی زکوٰۃ اور عشر شرعی وغیرہ سے الگ بزرگوں کی سالانہ شیرینی جو عوام میں مروج ہے یہ شرعاً دینا تو جائز ہے لیکن نہ دینے پر توہم پرستی کو فروغ دینا جائز نہیں ہے۔ یہ تمام باتیں بوجہ جہالت فروغ پا جاتی ہیں اور پھر لوگ اِن کے ساتھ نفع و نقصان کا عقیدہ وابستہ کر لیتے ہیں جو کہ شرک فی العبادت ہے لہٰذا اِن اُمور سے بچنا ضروری ہے۔

ائمہ اہلِ بیت اطہار کے لئے نیاز برائے ایصالِ ثواب مسلمانوں کا معمول ہے۔ اس عمل میں بھی بعض حالتوں میں افراط وتفریط کا عنصر موجود ہے۔ اس مستحب عمل کو بجا لانے والے اگر نذر کی طرح فرض اور واجب سمجھ کر اسے ادا کریں تو یہ بھی احکامِ شریعت سے انحراف ہے۔ اسی طرح اس کے ردعمل میں بعض لوگ اس مستحب عمل کو قطعی حرام اور شرک کے زمرے میں شامل کر کے ختمِ نیاز وغیرہ کا اہتمام کرنے والوں کو مشرک ٹھہراتے

ہیں حالانکہ یہ عمل مستحب ہے اس میں حرمت اور شرک کی کوئی علت موجود نہیں ہوتی۔ ایسی نذر و نیاز کے ساتھ بعض لوگ اپنی طرف سے طرح طرح کی شرائط و حدود اور پابندیاں عائد کرتے ہیں مثلاً فلاں شخص کھا سکتا ہے، فلاں عورت نہیں کھا سکتی، گھر سے باہر لے جانا منع ہے وغیرہ وغیرہ۔ اِسی طرح اولیاء اللہ کے نام جانوروں کو منسوب کر کے اُن کا احترام بجا لانا، اُن سے کوئی کام لینا شرعاً حرام سمجھنا اور اُن کی بے حرمتی کو بھی حرام سمجھنا ایسا عقیدہ شرک فی التحریم میں شمار ہوتا ہے لہٰذا عوام پر ایسی باریکیاں واضح کر دینی چاہئیں۔

www.MinhajBooks.com

مآخذ و مراجع

www.MinhajBooks.com

١۔ **القرآن الحکیم۔**

٢۔ **آلوسی**، ابو الفضل شہاب الدین السید محمود (١٢٧٠ھ)۔ **روح المعاني فی تفسیر القرآن العظیم و السبع المثاني۔** بیروت، لبنان: دار الاحیاء التراث۔

٣۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (٢٧٠۔٣٥٤ھ/٨٨٤۔٩٦٥ء)۔ **الصحیح۔** بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ١٤١٤ھ/١٩٩٣ء۔

٤۔ **ابن ماجہ، ابو عبد اللہ** محمد بن یزید قزوینی (٢٠٩۔٢٧٣ھ/٨٢٤۔٨٨٧ء)۔ **السنن۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ١٤١٩ھ/ ١٩٩٨ء۔

٥۔ **ابو داؤد**، سلیمان بن اشعث سجستانی (٢٠٢۔٢٧٥ھ/٨١٧۔٨٨٩ء)۔ **السنن۔** بیروت، لبنان: دار الفکر، ١٤١٤ھ/١٩٩٤ء۔

٦۔ **ابو داؤد**، سلیمان بن اشعث سجستانی (٢٠٢۔٢٧٥ھ/٨١٧۔٨٨٩ء)۔ **السنن۔** بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

٧۔ **احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ** بن محمد (١٦٤۔٢٤١ھ/٧٨٠۔٨٥٥ء)۔ **المسند۔** بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ١٣٩٨ھ/ ١٩٧٨ء۔

٨۔ **احمد رضا**، ابن نقی علی خاں قادری بریلوی (١٢٧٢۔١٣٤٠ھ/ ١٨٨٦۔١٩٢١ء)۔ **احکامِ شریعت۔** لاہور، پاکستان: شبیر برادرز، ١٩٨٤ء۔

٩۔ **احمد رضا**، ابن نقی علی خاں قادری بریلوی (١٢٧٢۔١٣٤٠ھ/ ١٨٨٦۔١٩٢١ء)۔ **فتاویٰ افریقہ۔** لاہور، پاکستان: نذیر سنز پبلشرز، ١٩٩٥ء۔

١٠۔ **احمد رضا**، ابن نقی علی خاں قادری بریلوی (١٢٧٢۔١٣٤٠ھ/ ١٨٨٦۔١٩٢١ء)۔ **فتاویٰ رضویہ۔** لاہور، پاکستان: رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، ١٩٩١ء۔

١١۔ **احمد رضا**، ابن نقی علی خاں قادری بریلوی (١٢٧٢۔١٣٤٠ھ/ ١٨٨٦۔١٩٢١ء)۔ **ملفوظات۔** لاہور، پاکستان: حامد اینڈ کمپنی/ فرید بک سٹال۔

١٢۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴-۲۵۶ھ/ ۸۱۰-۸۷۰ء)۔**الأدب المفرد**۔ بیروت، لبنان: دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء۔

١٣۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴-۲۵۶ھ/ ۸۱۰-۸۷۰ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

١٤۔ **بزار**، ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۰-۲۹۲ھ/ ۸۲۵-۹۰۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: ۱۴۰۹ھ۔

١٥۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴-۴۵۸ھ/ ۹۹۴-۱۰۶۶ء)۔ **شعب الإیمان**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

١٦۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسی بن ضحاک سلمی (۲۱۰-۲۷۹ھ/ ۸۲۵-۸۹۲ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

١٧۔ **حاکم**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱-۴۰۵ھ/ ۹۳۳-۱۰۱۴ء)۔ **المستدرک علی الصحیحین**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰ء۔

١٨۔ **دارمی**، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۱۸۱-۲۵۵ھ/ ۷۹۷-۸۶۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

١٩۔ **دیلمی**، ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسرو ہمذانی (۴۴۵-۵۰۹ھ/ ۱۰۵۳-۱۱۱۵ء)۔ **الفردوس بمأثور الخطاب**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۶ء۔

٢٠۔ **زرقانی**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف بن احمد بن علوان مصری ازہری مالکی (۱۰۵۵-۱۱۲۲ھ/ ۱۶۴۵-۱۷۱۰ء)۔ **شرح المواهب اللدنیة**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء۔

٢١۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹-۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵-۱۵۰۵ء)۔ **الخصائص الکبری**۔ فیصل آباد، پاکستان: مکتبہ نوریہ رضویہ۔

۲۲۔ **عبدالحق محدّث دہلوی**، (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ/ ۱۵۵۱۔۱۶۴۲ء)۔ **أخبار الأخيار فی أسرار الأبرار**۔ دہلی، بھارت: مطبع مجتبائی، ۱۳۳۲ھ۔

۲۳۔ **عبدالحق محدّث دہلوی**، شیخ (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ/ ۱۵۵۱۔۱۶۴۲ء)۔ **أشعة اللمعات شرح مشکوٰة المصابیح**۔ سکھر، پاکستان: مکتبہ نوریہ رضویہ، ۱۹۷۶ء۔

۲۴۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **فتح الباری بشرح صحیح البخاری**۔ لاہور، پاکستان: دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۲۵۔ **غزالی**، حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالی (۵۰۵ھ)۔ **إحياء علوم الدين**۔ مصر: مطبعہ عثمانیہ، ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء۔

۲۶۔ **فرید الدین عطار**۔ **تذکرة الأولياء**۔ بمبئی، بھارت: مطبع فتح الکریم، ۱۳۰۵ھ۔

۲۷۔ **مسلم**، ابن الحجاج قشیری (۲۰۶۔ ۲۶۱ھ/ ۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ **الصحيح**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۲۸۔ **ملا علی قاری**، نور الدین بن سلطان محمد ہروی حنفی (م ۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۶ء)۔ **شرح الشفاء للقاضی عياض**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۲۹۔ **مہر علی شاہ**، پیر سید حسنی گیلانی (۱۲۷۴۔۱۳۵۶ھ/ ۱۸۵۶۔۱۹۳۷ء)۔ **تحقيق الحق فی كلمة الحق**۔ راولپنڈی، پاکستان: مطبع سول ملٹری پریس (باہتمام حضرت صاحبزادہ غلام معین الدین شاہ صاحب)، ۱۳۸۱ھ۔

۳۰۔ **مہر علی شاہ**، پیر سید حسنی گیلانی (۱۲۷۴۔۱۳۵۶ھ/ ۱۸۵۶۔۱۹۳۷ء)۔ **إعلاء كلمة الحق**۔

۳۱۔ **نسائی**، احمد بن شعیب (۲۱۵۔۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء۔

www.MinhajBooks.com